یہ ملاحت کدھر سے آئی؟

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی میاں رحمہ اللہ کی شخصیت کی عظمت اور ان کی مقبولیت و محبوبیت کا راز اور ان کے وصال کا منظر۔

مرتبہ
حضرت صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ ملاحت کدھر سے آئی؟

مرتبہ

حَضرت اقدس صُوفی **مُحمّد اقبَال** صَاحب (مدنی)

معاونت خصوصی برائے ترتیب و کمپوزنگ

حضرت جناب آفتاب احمد (مدینہ منورہ)

ترتیب و کمپوٹر کمپوزنگ: محمد نور باری

مکتبہ اقبالیہ

نور حراء پبلیشرز

ای میل: noorbari786@gmail.com فون: 0092-312-2502281

١٣ ذالقعده ١٤٤٣

بسم اللہ والحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ.

امابعد! گدڑی میں چھپے ہوئے لعل کی مثال عام طور سے مشہور ہے کسی زمانہ میں ''گدڑی'' پرانے کپڑے پر بہت سے پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے، جو فقراء کا لباس تھا۔ اسی لباس میں بعض حضرات اپنے تعلق باللہ اور روحانیت کے ایسے مقام پر ہوتے تھے کہ دنیا کے بادشاہ انکے جوتے سیدھے کریں۔ اور تعلق باللہ کا یہ جوہر ان کے اندر چھپا ہوا ہوتا تھا جو ظاہری لباس کی بنا پر عوام سے مستور ہوتا تھا۔ لیکن اس جوہر کے جوہری اور تیز نظر والے اُن کو اسی فقیرانہ لباس میں پہچان لیا کرتے تھے۔

تعلق باللہ کا یہ جوہر حضرت مولانا سید علی میاںؒ کی ذات گرامی میں بھی چھپا ہوا تھا، کیونکہ وہ اس جوہر کے مناسب دستار، شانہ، جبہّ، قبہّ نہیں پہنتے تھے۔ بلکہ کوٹ، شیروانی اور ٹوپی عام لوگوں والا لباس پہنتے تھے، لیکن شرعی حدود کے اندر پائجامہ وغیرہ نصف ساق تک اونچا رہتا تھا گویا یہ جدید قسم کی گدڑی تھی جس میں انہوں نے اپنے آپ کو چھپایا ہوا تھا۔

آپ شرعی وضع قطع کے علاوہ ہر قسم کی امتیازی شان سے بالا تھے [(۱)]۔ اسی طرح چار سطری اور آٹھ سطری القابات اپنے نام کے ساتھ پسند نہیں کرتے تھے،

(۱) آپ کھانے میں مزیدار چیز پسند فرماتے، اپنے مالک جل شانہ کی عطا کردہ نعمتوں کے استعمال میں نام نہاد صوفیاء کی طرح تکلف نہیں کرتے تھے، اپنے متعلق اچھی بات سن کر خوش ہوتے اور اپنوں میں سے کوئی ان کی نرمی سے ناراض ہوتا تو یہ پڑھ دیتے۔

کیا غم جو گریزاں ہیں چند پیمانے
نگاہ یار سلامت: ہزار میخانے

فرماتے تھے یہ الفاظ کی ناقدری ہے۔ ایک بار راقم الحروف نے حضرت مولانا سے پوچھا کہ آپ نے سب مشائخ کو دیکھا ہے، سب کو دیکھنے کے بعد آپ نے رائے پور میں کیا دیکھا کہ پھر ان ہی کے ہو رہے؟ میرے اس سوال پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ "ہر جگہ کوئی نہ کوئی امتیازی بات دیکھی اور حضرت رائپوریؒ کے یہاں کچھ نہیں دیکھا" اور پھر یہ پڑھا

ع اک راکھ کا ڈھیر ہے اور آگ دبی ہے

اسی طرح آپ سخت سردی میں تہجد، اوّابین، نفلی اوراد اور تصوف کے اذکار واشغال ذکر بالجہر وغیرہ کے سلف صالحین کی طرح پابند تھے اور تقویٰ کی یہ حالت تھی کہ حضرت رائپوریؒ کا یہ مقولہ سنا کہ علی میاں ان لوگوں میں ہیں جن کو گناہ کا کبھی خیال بھی نہیں آیا ہوگا۔

اس چھپے ہوئے لعل کے جوہری جو نور فراست اور ادراک رکھتے تھے اور اللہ کے نور سے دیکھنے والے تھے ان حضرات نے مولانا کو خوب پہچانا، ہمارے سامنے کے دور میں ایسے عارفین میں چند حضرات تھے، جن کو وقت کے صلحاء علماء اور مشائخ نے اپنا بڑا مانا ہوا تھا۔ مثلاً حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ، قطب وقت حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ، حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینیؒ اور ان حضرات سے ملحق اصاغر۔

الحمدللہ ان حضرات کی احقر کو خدمت نصیب ہوئی، ان سب حضرات پر کسی بھی دور میں مداہنت یا ذاتی منافع کا شبہہ نہیں کیا جا سکتا، حتیٰ کہ ان حضرات کے سیاسی مخالفین بھی ان کے بلندیِ اخلاق واخلاص کے معترف تھے۔ جس وقت ان حضرات

نے مولانا علی میاں پر شفقتیں کیں، محبتیں کیں اور ان کو باطنی سلسلوں میں خلافتیں دیں اُس وقت حضرت مولانا کی کوئی عالمی شخصیت بھی نہیں بنی تھی اور آپ بہت کم عمر کے نوجوان تھے۔ بلکہ سیاسی افکار اور بہت سی تحریکوں کے نظریات جن کے مولانا اس وقت داعی تھے مذکورہ بالا حضرات متفقہ طور پر سخت مخالف ودشمن تھے۔

اب حضرت مولانا کی وفات کے بعد بہت سی جگہوں پر تعزیتی جلسے ہونگے، سیمینار منعقد ہونگے، مقالے لکھے جائیں گے، مکمل سوانح حیات بھی لکھی جائیں گی جیسا کہ ایسی اہم شخصیات کی وفات پر ہوا کرتا ہے، لیکن راقم الحروف تو نہ لکھنے والوں میں ہے اور نہ اس وقت بیماری کی حالت میں تفصیل سے لکھوانے کی طاقت ہے۔ اس مختصر تحریر سے راقم کا مقصود ان حضرات اولیاء اللہ کی حضرت مولانا کے ساتھ محبتوں کے چند چشم دید واقعات کا تذکرہ کرنا ہے تاکہ دین کے اس عظیم شعبے تصوف وسلوک سے مولانا کا تعلق بھی واضح ہو جائے کہ جس کی بناء پر اتنے عظیم اولیاء اللہ نے آپ پر اعتماد کیا تھا۔ بندہ کا خیال ہے کہ بہت سے تذکرہ نگار اس پہلو کو چھپائیں گے کیونکہ لکھنے والے اکثر ادیب حضرات کو اس شعبے کی اہمیت ہی نہیں بلکہ ان کا خیال ہے کہ اس چنیا بیگم سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت ہے جبکہ ہمارے نزدیک یہ دین کی روح ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت علی میاںؒ راقم الحروف کے بہت بڑے محسن تھے۔ میرے متعلق آپ نے ایک خط حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کے نام تحریر فرمایا جبکہ بندہ تعلیم کے سلسلے میں دیوبند حاضر ہوا تھا۔ اور ایک خط حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں لکھا جبکہ بندہ مظاہر العلوم حاضر ہوا تھا۔ (پھر حضرت شیخؒ کی شفقتوں کے بعد سارے ہی اکابرین نے بندہ پر شفقتیں فرمائیں حتیٰ کہ حضرت جی مولانا یوسف صاحبؒ نے ایک موقع پر فرمایا کہ یہ وقت کے سارے ہی بزرگوں کا منظور نظر ہے)۔

لہٰذا اس پہلو کو لکھنا میرے اوپر ان کا حق ہے تاکہ ان سے تعلق رکھنے والوں پر

یہ واضح ہو جائے اور وہ آپ کی اتباع کی کوشش کریں۔ اور حضرت کا نام اللہ والوں کے اس طبقے میں بھی خیر وخوبی سے لیا جائے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کی ایک علامت ہے اور وفات کے بعد نافع ہے۔ اگرچہ زندگی میں کسی کی تعریف کسی کے لئے فتنہ بن سکتی ہے۔ غرض ہم نے بہت مختصر لکھنے کا ارادہ کیا ہے ؎

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چُبھیں دل میں وہی تنکے لئے

مذکورہ بالا اکابرین کی خصوصیات کے متعلق اگر اختصاراً بھی لکھا جائے تو بڑا دفتر بن جائے اور ان حضرات کی مفصل سوانح چھپی ہوئی بھی ہیں اور ان کو دیکھنے والے کوئی کوئی زندہ موجود بھی ہیں۔

حضرات اولیاءاللہ کی محبت کی اہمیت کیوں؟

کسی کی محبوبیت عند اللہ اور عند اللہ کسی کے مقام کے متعلق یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا، کہ اس بات کا تعلق ایسی مختارِ مطلق اور عظیم بارگاہ سے ہے کہ وہاں کوئی دَم نہیں مار سکتا (حتیٰ کہ عشرہ مبشّرہ حضرات بھی ہمیشہ لرزاں وترساں رہے) ہاں البتہ اولیاءاللہ کی شہادتوں پر اور ان سے حسن ظن کی بنا پر اچھی امیدیں لگائی جاتی ہیں اور لگانی چاہئیں، کہ حدیث پاک میں اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وارد ہے۔

اور حدیث پاک میں ہے:

اِذَا اَحَبَّ اللّٰہُ الْعَبْدَ نَادیٰ جِبْرِیْلَ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحْبِبْہ، فَیُحِبُّہٗ جِبْرِیْلُ فَیُنَادِیْ جِبْرِیْلُ فِیْ اَھْلِ السَّمَاءِ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ فُلَانًا فَاَحِبُّوْہُ فَیُحِبُّہٗ اَھْلُ السَّمآءِ، ثُمَّ یُوْضَعُ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ.

ترجمہ : جب اللہ جل شانہ اپنے کسی بندے کو محبوب بناتے ہیں تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو یہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت فرماتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرتے ہیں، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمانی باسیوں میں یہ پکار لگاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فلاں بندے سے محبت فرماتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو، تو آسمان والے اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں، پھر زمین میں اس کی قبولیت رکھ دی جاتی ہے (بخاری)۔

جن قلوب کو فرشتوں کے الہام قبول کرنے کی استعداد ہوتی ہے پہلے پہلے ان کے دلوں میں اس شخص کی محبت آتی ہے پھر بلا کسی ظاہری وجہ کے عمومی محبت ہو جاتی ہے (اس کے برعکس اگر پہلے بے دین لوگوں میں قبولیت آئے اور بعد میں چند اللہ والے بھی متاثر ہو جائیں تو وہ اس زمرے میں نہیں)۔

حضرت علی میاں کے ساتھ محبوبیت کی وہی ترتیب پیش آئی کہ پہلے اولیاء اللہ کے دلوں میں محبت آئی، عوام نہیں جانتے تھے، بعد میں مقبولیت عامہ ہو گئی، **الحمد للہ علی ذٰلک.**

اب ہم حضرت علی میاں سے عارفین وقت کی محبت کرنے کے کچھ واقعات لکھتے ہیں:

حضرت مولانا نے بچپن میں ندوۃ العلماء میں عربی ادب، تاریخ وغیرہ علوم پڑھ کر حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی خدمت میں حدیث پاک پڑھی، پھر اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ جو حدیث میں حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد تھے، ان کے مشورے سے لاہور میں امام الاولیاء حضرت لاہوریؒ کی خدمت میں صرف ''حجۃ اللہ البالغہ''

پڑھنے کے لئے حاضری دی۔ کیونکہ اس وقت حضرت لاہوریؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے علوم کے ماہر تھے۔ لاہور کی بادشاہی مسجد میں جہاں حضرت علی میاں مطالعہ کرتے تھے وہ جگہ راقم الحروف کو دکھائی تھی۔ حضرت لاہوریؒ نے ان کے باطنی جوہر کا ادراک کیا اور ان کو قطب وقت حضرت مولانا خلیفہ غلام محمد دین پوریؒ کی خدمت میں بھیجا کہ اس بچے کو بیعت فرمالیں، یہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے ہے۔ حضرت دین پوری کی عمر اس وقت سو (۱۰۰) برس کی تھی۔

اس کے بعد منازل سلوک حضرت لاہوریؒ نے طے کرائے اور مکہ مکرمہ مسجد خیف میں ان کے متعلق استخارہ کیا اور اپنے سفر سے واپسی پر حضرت علی میاں کو لاہور بلالیا اور اجازت بیعت وخلافت سے نوازا (اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی وفات کے بعد راقم الحروف کو حضرت علی میاں نے سلسلہ راشدیہ قادریہ میں اجازت عطا فرمائی)۔

حضرت علی میاں کی خلافت کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ اکابر امت متفقہ طور پر جماعت اسلامی کے سخت خلاف ہو چکے تھے جس میں حضرت لاہوریؒ پیش پیش تھے اور حضرت علی میاں جماعت کے بانیوں میں تھے، بعد میں علیحدگی فرمائی۔

حضرت علی میاں کے ابتلاء کی وجہ

اور اس ابتلاء کی وجہ یہ تھی کہ جس طبقے میں حضرت علی میاں اصلاح کا کام کرنے کو النّاس علٰی دینِ مُلُوکھم کے تحت دینی انقلاب کے لئے ضروری سمجھتے تھے یعنی اعلیٰ عہدے دار طبقہ کہ عوام اسی طبقے کی پیروی کرتے ہیں کہ عوام کی ضروریات اس طبقے سے وابستہ ہوتی ہیں اور اَلاِنْسان عَبْدُ الاِحْسان مشہور ہے (چنانچہ حضرت مجدّد الفِ ثانیؒ نے بھی حکمران طبقے پر خاص توجہ فرمائی اور امام التبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے

ہر طبقے میں کام کیا، کیونکہ عوام میں خواص بھی ہوتے ہیں)۔

اس اعلیٰ عہدے دار طبقے میں جماعت اسلامی بھی کام کر رہی تھی اس لئے دونوں کا ہدف ایک تھا اس وجہ سے دونوں کا اسلوب اور طریقہ کار ایک جیسا ہو گیا اسلئے کچھ وقت تک اشتراک رہا، ورنہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ حضرت مولانا جماعت اسلامی سے متاثر نہیں ہوئے تھے اور ''عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح'' اور عربی میں ''التفسير السياسى للاسلام'' لکھنے سے پہلے ان کی کتابیں پڑھی بھی نہیں تھیں۔ نیز حضرت علی میاں کے مقابلے میں بانی جماعت کی شخصیت اور اس لٹریچر کی کوئی حیثیت بھی نہیں تھی۔ جیسا کہ امریکہ میں ایک گفتگو میں حضرت نے خود اس کا اظہار فرمایا (جس کی کیسٹ موجود ہے)۔

کوہ منصوری میں میرا رمضان اور حضرت شیخؒ کا جلالی خط

۲ے۳۱ھ مطابق ۱۹۵۳ء میں حضرت رائپوریؒ کوہ منصوری میں رمضان گذار رہے تھے، اور بندہ حضرت شیخؒ کی خدمت میں ''سہارن پور'' میں تھا، مجھے بھی حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ تم بھی حضرت رائپوریؒ کے پاس وہاں چلے جاؤ، لیکن میں نے ویزانہ ہونے کا عذر کر دیا۔ پھر وسطِ رمضان میں حضرت علی میاں بھی منصوری پہنچ گئے [1] تو حضرت شیخؒ نے بندے کو حکم فرمایا کہ علی میاں بھی وہاں چلے گئے ہیں، اب تم ضرور پہنچو اور ویزا ''سہارن پور'' سے بنوالو، فلاں وکیل صاحب کے ذریعے بنوالو۔ (مشہور وکیل الیاس جو حضرت شیخ کا معتقد تھا اس کے ذریعے کوشش کرنے کا فرمایا) چنانچہ بنوالیا اور بندہ منصوری پہنچ گیا۔

---

(۱) کہ آپ حضرت رائپوریؒ کے بھی مجاز تھے اور قادریہ سلسلے کے اذکار حضرت رائپوریؒ کی نگرانی میں کرتے تھے۔

حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہ کی مجلس میں جماعت اسلامی پر تبصرہ رہتا تھا، مجھے تو اس سے کچھ سروکار نہیں تھا، کچھ دلچسپی نہیں تھی، جس مقصد کے لئے منصوری پہنچا وہ حضرت علی میاں کی خدمت تھی، ان کے ساتھ ہر وقت رہتا، کچھ حضرات مخالفت میں بہت جوش میں تھے، انہوں نے حضرت شیخؒ کو میری شکایت لکھ دی کہ یہ بھی جماعت اسلامی سے متاثر ہو رہا ہے۔ حضرت شیخ نے فوراً مجھے تحریر فرمایا کہ "تمہارے متعلق ایسی خبر پہنچی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو رمضان بعد تم اپنے وطن چلے جانا، مجھے منہ نہ دکھانا" میں نے جواب میں مفصل صورتحال لکھی۔ اس پر حضرت شیخؒ کی طرف سے والا نامہ آیا "کہ تمہارا خط عین توقع کے مطابق آیا، میں نے تو احتیاطاً اس لئے لکھا تھا کہ حضرت رائپوریؒ کی مجلس کا جو طرز ہے اس میں بعض وقت ہر بات پر بظاہر آمین ہو جاتی ہے، کہیں تم متاثر نہ ہو جاؤ"۔

مدینہ شریف میں ماہر القادری صاحب حضرت شیخ سے ملنے آئے، حضرت شیخ نے ان کو مستقل مہمان بنایا، اپنے ساتھ بٹھاتے، کھلاتے اور خوب خاطر کرتے، کچھ دنوں بعد وہ سمجھے کہ حضرت شیخ بہت اعتدال والے ہیں، جماعت سے متعلق اُن سے بات کرنی چاہئے۔ انہوں نے جب جماعت اسلامی کا نام ہی لیا تو حضرت شیخ نے اجنبی لہجہ میں فرمایا "دیکھو ماہر صاحب، ابھی تک تمہارے ساتھ دوستی تھی، اب تم نے لڑائی کی بات شروع کر دی، دوستی ہی رہنے دو اچھا ہے"۔

ہمارے حضرات اپنے جذبات کو شریعت مطہرہ کے تحت رکھتے تھے، چنانچہ حکم ہے۔ اَکْرِمُوْا کَرِیْمَ القوم.

امام التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی حضرت علی میاں پر جو شفقتیں اور محبتیں تھیں وہ "مکاتیب حضرت مولانا الیاس صاحب" جو مطبوعہ ہیں اُس میں ملاحظہ ہوں۔ حضرت دہلویؒ کی وفات پر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ نے

حضرت علی میاں سے فرمایا کہ اللہ کا بہت شکر کرو کہ ایک اللہ کا ولی آپ سے خوش گیا۔

استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ صاحب قدس سرہ کا ایک مکتوب

حضرت مفتی صاحبؒ حضرت شیخ الہند کے شاگرد حضرت گنگوہیؒ کے فیض یافتہ اور حضرت رائپوریؒ کے خلیفہ تھے۔ پنجاب کے اکابر علماء کے استاذ تھے۔ جب قبر مبارک میں رکھے گئے تو قبر شریف مشک کی عجیب خوشبو سے بھر گئی جو بعد میں کئی روز تک قبر کے باہر آتی رہی۔ شروع قیام پاکستان میں ایک دفعہ ان کے مدرسے کی روئداد میں علماء کی فہرست میں مودودی صاحب کا نام بھی چھاپ دیا گیا جس پر حضرت شیخ نوّراللہ مرقدہ نے ناظم مدرسہ کو لکھا کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے۔ حضرت مفتی صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا حافظ عبداللہ صاحب شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ نے راقم الحروف سے بیان کیا کہ جب حضرت شیخ کا خط مفتی صاحب نے سنا تو بے چین ہو گئے مجھے آواز دی۔ فرمایا۔ او عبداللہ جلدی آ۔ دیکھ حضرت شیخ نے کیا لکھا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو مشورہ نہیں ہوا تھا۔ فرمایا مشورہ نہیں ہوا تھا؟ او اب ہمارے بڑے حضرت شیخ ہی تو رہ گئے ہیں اگر یہ ناراض ہو گئے تو پھر ہم کہاں کے رہیں گے۔ جلدی اسی وقت ان سے معافی مانگ جواب لکھ۔ چنانچہ مندرجہ ذیل جواب لکھوایا گیا۔

بحضرت سیدی و مولائی و محترمی دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا والا نامہ بنام برادر عزیز مولوی حبیب اللہ ناظم مدرسہ پڑھا اور حضرت والد صاحب کو بھی سنایا۔ حضرت والد صاحب نے سنتے ہی فرمایا کہ حضرت شیخ کو جلدی جواب لکھ۔

امتثالاً للأمر یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ مدرسہ کی روئداد مرتب کرتے وقت برادر

عزیز نے ہم دونوں سے کوئی مشورہ نہیں کیا۔ صفحہ چھیالیس پر مودودی اور امین احسن کا نام شائع کرنے میں ہم نے سخت غلطی کی۔ آپ حضرات کو یقیناً صدمہ ہوا ہو گا ہم معافی کے طلب گار ہیں۔

ہمارا رشتہ تو آپ حضرات سے ہی ہے۔ ہمارا اسلام، ہمارا مسلک، ہمارا اعتقاد تو واللہ العظیم بالکل تقلیدی ہے۔ آپ حضرات کے مسلک سے الگ ہو کر ہمارا کہاں ٹھکانا ہو گا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی ہماری کوتاہیوں پر ہم کو متنبہ فرماتے رہیں گے۔

''حضرت مدنیؒ کا ارشاد''

تقسیم ملک کے بعد ایک مرتبہ راقم الحروف کی حضرت مدنی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری ہوئی، حضرت نے استفسار فرمایا کہ پاکستان کا کیا حال ہے؟ عرض کیا کہ آج کل پرویزی فتنے کا وہاں بہت زور ہے۔ سرکاری دفاتر، کالجوں وغیرہ میں طلوعِ اسلام کی بہت اشاعت ہے۔ دینی رجحان رکھنے والے جدید تعلیم یافتہ بااثر لوگ دینی علم نہ ہونے کی وجہ سے متاثر ہو رہے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا'' یہ تو ختم ہو جائے گا، زیادہ خطرناک مودودی جماعت کا فتنہ ہے''۔

﴿وَلاَ تَرْكَنُوْآ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّار﴾

استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خلیفۂ مجاز حاجی عبدالسلام صاحب ہوشیارپوری مرحوم دینی مسائل میں مودودی صاحب سے اختلاف رکھتے ہوئے پاکستان کی سیاست میں مودودی صاحب کے ہم خیال تھے مگر حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جماعت سے کسی قسم کا تعلق پسند نہ فرماتے تھے۔ ایک دفعہ لائل پور کے اسٹیشن پر حاجی صاحب مرحوم، حضرت مولانا کو رخصت کرنے جا

رہے تھے۔ مجھے بھی زیارت کرانے ساتھ لے گئے۔ حضرتؒ نے حاجی صاحبؒ کو مودودی صاحب سے یکسو رہنے کی تلقین فرمائی اور آخر میں جب گاڑی چلنے لگی تو مصافحہ کرتے وقت قرآن پاک کی آیت وَلاَ تَرْكَنُوْآ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّار" تلاوت فرمائی، اور گاڑی چل پڑی۔ بندے کو حضرتؒ کی یہ آخری زیارت تھی، پھر میری حجازِ مقدس کو واپسی ہوگئی اور حضرت کا وصال ہوگیا۔

"حضرت لاہوریؒ کی نظر میں حضرت مدنیؒ اور حضرت رائپوریؒ کی فراست"

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس سرہ کے متعلق مخدوم و محترم مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت لاہوریؒ اپنے زمانہ میں بہت بڑے شیوخ طریقت میں سے تھے۔ قوت نسبت، باطنی ادراک اور روشن ضمیری میں اس زمانہ میں ان کی نظیر مشکل سے مل سکتی تھی (سوانح رائپوریؒ) وفات کے بعد ان کی قبر سے چالیس روز تک کستوری کے مثل عجیب خوشبو کا آتے رہنا لاہور کے سب عام وخاص کو معلوم ہے۔ راقم الحروف (محمد اقبال) بھی کئی روز تک وہ خوشبو سُونگھتا رہا۔

حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ نے جب جماعت اسلامی کو قریب سے دیکھا تو رُکنیت سے علیحدہ ہو گئے تھے، لیکن ہمدردانہ رویّہ رکھا، اس زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت لاہوریؒ کی ملاقات کو تشریف لے گئے، بندہ بھی خادمانہ ہمراہ تھا۔ حضرت لاہوری ہم کو اپنے خاص حجرے میں لے گئے، چائے پلائی، پھر فرمایا کہ :

ایک خاص بات کرنی ہے توجہ سے سنو۔ حضرت لاہوریؒ نے حضرت علی ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخش صاحب قدس سرہ سے مراقبہ میں اپنی بات چیت جو کہ

فارسی زبان میں ہوئی تھی وہ، اور اُن کی قبر کی تعیین کا قصہ سنایا جو کہ کئی سال بعد "خدام الدین" کے پرچے میں شائع بھی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد علی میاں سے پوچھا کہ تاریخی لحاظ سے اس بارے میں آپ کی کیا معلومات ہیں؟ علی میاں نے عرض کیا کہ تاریخی لحاظ سے بھی آپ کے مکاشفے کی پوری تائید ہوتی ہے اور قبر کی تعیین کے متعلق تفصیل عرض کی۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ میں نے یہ واقعہ اس واسطے سنایا ہے کہ اس قسم کا ادراک مجھے عام طور پر ہو جاتا ہے اور میری حیثیت حضرت مدنیؒ اور حضرت رائے پوریؒ کے سامنے ایسی ہے کہ میں اُن کے جوتے کی خاک کے ذرہ کو اپنے لئے موتیوں کا تاج سمجھتا ہوں۔ میں حیران ہوں کہ آج کل بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان حضرات نے مودودی صاحب کی اردو کی کتب کو سمجھا نہیں۔ طرزِ تحریر نیا ہے مودودی صاحب کے مفہوم کو نہیں سمجھتے محض دوسروں کے کہنے سے یہ بزرگ شدید مخالف ہو گئے ہیں۔ پھر بڑے جوش سے فرمایا میں کہتا ہوں کہ ان دونوں بزرگوں کی فراست اِس درجہ کی ہے کہ اگر ایک مسلمان کو کافر کا لباس پہنا دیا جائے اور کافر کو مسلمان کا، پھر دونوں کے فوٹو لئے جائیں اور حضرت مدنیؒ کے سامنے پیش کئے جائیں تو حضرت فوراً کہہ دیں گے، ھٰذا مسلم وھٰذا کافر، ان حضرات کے علم و تقوے اور خلوص و بے نفسی کے آپ بھی قائل ہیں۔ بس مجھے آپ کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اس کے بعد ہمیں رخصت کر دیا۔

ملحوظہ۔ یہ مضمون قدرے تفصیل سے اس لئے لکھوایا کہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ ندوۃ العلماء پورا کا پورا جماعت اسلامی کا مرکز بننے والا ہے، فتین لوگ حضرت علی میاں کی وفات کا انتظار کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ وما علینا الا البلاغ

عظیم جوہر (روحِ دین) کے متعلق حضرت علی میاں کی کتابیں

(۱) ربّانیہ لا رھبانیۃ (۲) احقر کا رسالہ ''اکابر کا سلوک واحسان'' پر مقدمہ جو کئی جگہ چھپا ہے اور حضرت شیخؒ نے اپنی خصوصی تصنیف ''شریعت وطریقت کا تلازم'' میں اس کو شامل کرایا (۳) عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح (۴) جب ایمان کی بہار آئی (۵) تاریخ دعوت وعزیمت (۶) مولانا الیاس صاحبؒ اور ان کی دینی دعوت (۷) پاجا سراغ زندگی (۸) رسالہ ''دعائیں'' (۹) کتاب ''آپ حج کیسے کریں'' میں مضمون ''اپنے گھر سے بیت اللہ تک'' وغیرہ وغیرہ۔

یہاں پر حضرت مولانا علی میاںؒ کا وہ مقدمہ جو ''اکابر کا سلوک واحسان'' پر حضرت نے تحریر فرمایا ہے افادۂ ناظرین کے لئے بعینہٖ درج کرتے ہیں، جس سے ان کا غلط صوفیوں پر رد کے ساتھ زمانۂ حال کے مشائخ حقہ سے ان کا تعلق بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ.

مذاہب، اخلاقیات، تعلیم وتربیت، اصلاح وتجدید اور علوم وفنون سب کی تاریخ میں دو(۲) مرحلے بڑے سخت پیش آتے ہیں اور ان سے ان میں سے کسی کو بھی مفر نہیں۔

ایک جب کہ وسائل مقاصد بن جاتے ہیں، دوسرے جب اصطلاحات حقائق کے لیے حجاب ہو جاتے ہیں۔ وسائل اور اصطلاحات دونوں نہایت ضروری اور بالکل

قدرتی اور طبعی چیزیں ہیں جن کے بغیر ان مقاصد عالیہ کی تبلیغ و توسیع اور تشریح و تفہیم عام طور پر ممکن نہیں ہوتی، لیکن وسائل ہوں یا اصطلاحات، مقاصد و حقائق کے لیے ان کا درجہ خادم و معاون کا ہے۔ ان کو وقتی طور پر ایک ضرورت کی تکمیل کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور بعض اوقات ان پر مقاصد و حقائق ہی کی طرح زور دیا جاتا ہے اور ان کا مطالبہ کیا جاتا ہے، لیکن ان میں سے ہر فن کا مجتہد جب ضروری سمجھتا ہے ان سے نہ صرف استغناء اختیار کرتا ہے بلکہ بعض اوقات بطور علاج ان کے ترک کا بھی حکم دیتا ہے۔ وہ ان کا محکوم ہونے کے بجائے ان کا حاکم ہوتا ہے۔ وہ اس کا بھی لحاظ رکھتا ہے کہ وہ اس تناسب سے آگے نہ بڑھنے پائیں کہ بجائے مفید ہونے کے مُضر اور موصل الی المطلوب ہونے کے بجائے سدِّ راہ اور طریق کے راہزن ثابت ہوں۔

لیکن اس تاریخی حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے کہ ان مقاصد عالیہ کو یہ ابتلاء بار بار پیش آیا ہے کہ وسائل مقاصد بن گئے ہیں اور اصطلاحات نے حقائق پر ایسے دبیز پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ نہ صرف یہ کہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے بلکہ ان سے ان تلخ تجربوں اور غلطیوں کی بناء پر جو اِن اصطلاحات کے علمبرداروں سے سرزد ہوئیں ایسی شدید غلط فہمیاں پیدا ہوئیں کہ حق جو اور سلیم الفطرت انسانوں کی ایک بڑی تعداد کو ان مقاصد اور حقائق ہی سے ایسی وحشت اور بے زاری پیدا ہو گئی کہ ان کو ان مقاصد کے حصول اور تکمیل اور ان حقائق کے قدر و اعتراف پر آمادہ کرنا ایک نہایت دشوار کام بن گیا۔ جب ان کے سامنے ان مقاصد کی تحصیل کی ضرورت پر تقریر کی جاتی یا ان کو ان کے بارے میں مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی تو وسائل کے پہاڑ ان کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے جن کے بارے میں خام اور غیر محقق داعیوں نے سخت مبالغہ اور غلو سے کام لیا تھا اور ہر شخص سے ان کے بارے میں بے جا اصرار کیا تھا اور وہ انہیں میں اس طرح الجھ کر رہ گئے تھے کہ مقصد ہی بالکل فراموش اور نظر انداز ہو گیا تھا۔ اسی

طرح جب ان حقائق کی دعوت دی گئی جن کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں اور جو بدیہیات میں داخل ہیں تو وہ اصطلاحات ان کے لئے حجاب بن گئے جن کے بارے میں نہ صرف یہ کہ اختلاف کی گنجائش تھی بلکہ وہ خاص ماحول، مخصوص حالات اور عام طور پر بہت بعد کے زمانہ میں ان حقائق کو ذہن کے قریب کرنے کے لیے اور خاص مصالح کے ماتحت وضع کئے گئے تھے۔ ان حقائق کے ابتدائی علمبردار اور جن کی زندگی ان حقائق کی سچی تصویر تھی ان اصطلاحات سے نا آشنا تھے انہوں نے ان حقائق کو سمجھانے اور ذہن نشین کرنے کے لیے دوسرے ہی الفاظ، طریقے اور اسالیب استعمال کئے تھے صرف نحو، قواعد زبان، علوم و بلاغت سے لے کر حقیقت و معرفت، اصلاحِ باطن، تزکیۂ نفس تک جس کی تاریخ دیکھی جائے اور اس فن کے متقدّمین اور متاخّرین کا مقابلہ کیا جائے۔ یہ حقیقت سب جگہ نظر آئے گی کہ متقدّمین وسائل پر حاکم متاخرین ان کے محکوم۔ محققین حقائق کے داعی و مبلغ اور غیر محقّق پیر واصطلاحات کے پرستار اور ان کے اسیر و گرفتار ہیں۔ یہ مقاصد عالیہ دینیات اور اخلاقیات اور علوم و فنون کا ایک ایسا المیہ اور ان کے طالبین کے لئے امتحان و آزمائش کا ایسا مرحلہ ہے جو ہر دور میں پیش آیا ہے۔

تصوّف کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ جہاں تک اس کے مقصد و حقیقت کا تعلق ہے وہ ایک متفق علیہ اور بدیہی حقیقت ہے لیکن اس کو اِن ہی دو چیزوں نے نقصان پہنچایا کہ ایک وسائل کے بارے میں غلو اور افراط سے کام لینا دوسرے اصطلاح پر غیر ضروری حد تک زور دینا اور اس پر بے جا اصرار کرنا۔ اگر کسی سے پوچھا جائے کہ اخلاص و اخلاق ضروری ہیں یا نہیں۔ یقین کا پیدا ہونا مطلوب ہے یا نہیں۔ فضائل سے آراستہ ہونا اور رذائل سے پاک ہونا، حسد، کبر، ریا، بغض اور کینہ، حبِّ مال، حبِّ جاہ اور دوسرے اخلاقِ ذمیمہ سے نجات پانا نفس امارہ کی شدید گرفت سے خلاصی پانا کسی

درجے میں ضروری یا مستحسن ہے یا نہیں۔ نماز میں خشوع و خضوع، دعاء میں تضرّع وابتہال کی کیفیت، محاسبۂ نفس کی عادت اور سب سے بڑھ کر اللہ ورسول ﷺ کی محبت، حسّی حلاوت ولذّت کا حصول یا کم سے کم اس پر شوق واہتمام، صفائی معاملات، صدق وامانت اور حقوق العباد کی اہمیت اور فکر نفس پر قابو رکھنا غصہ میں آپے سے باہر نہ ہو جانا کسی درجے میں مطلوب ہے یا نہیں تو ہر سلیم الفطرت انسان اور خاص طور پر وہ مسلمان جس کی آنکھوں پر تعصّب کی پٹی بندھی ہوئی نہیں ہے یہی جواب دے گا کہ یہ چیزیں نہ صرف مستحسن بلکہ شرعاً مطلوب ہیں اور سارا قرآن اور حدیث کے دفتر اس کی ترغیب و تاکید سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن اگر کہا جائے کہ انہیں صفات کے حصول کا ذریعہ وہ طریقِ عمل ہے جس کو بعد کی صدیوں میں تصوّف کے نام سے پکارا جانے لگا تو اس کے سنتے ہی بعض لوگوں کی پیشانی پر شکن پڑ جائے گی، اس لئے کہ اِس اصطلاح سے اُن کو وحشت اور اس کے بعض بر خود غلط علمبرداروں اور دعوے داروں کے متعلق ان کے تجربات نہایت تلخ ہیں، ان کے حافظے میں اس وقت وہ واقعات اُبھر آتے ہیں جو ان کو معاملہ کرنے پر یا اُن کو قریب سے دیکھنے پر اُن کے ساتھ پیش آئے۔ لیکن یہ صرف تصوّف ہی نہیں ہر علم و فن ہر اصلاحی دعوت اور ہر نیک مقصد کا حال ہے کہ اُس کے حاملین و عاملین میں اور اُس کے داعیوں اور دعوے داروں میں اصلی و مصنوعی، محقّق و غیر محقّق، پختہ و خام، یہاں تک کہ صادق و منافق پائے جاتے ہیں اور ان دونوں نمونوں کی موجودگی سے کوئی حقیقت پسند انسان بھی اس ضرورت کا منکر اور سرے سے اس فن کا مخالف نہیں بن جاتا۔ دنیاوی شعبوں کا حال بھی یہی ہے کہ تجارت ہو یا زراعت، صنعت ہو یا ہنر، ہر ایک میں کامل و ناقص اور رہبر و رہزن دونوں پائے جاتے ہیں، لیکن دین و دنیا کا نظام اسی طرح چل رہا ہے کہ آدمی اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور ناقصوں یا مدّعیوں کی وجہ سے اِس دولت سے

محرومی اور اس مقصد سے دست برداری اختیار نہیں کرتا اور کسی اصطلاح سے عدم اتفاق کی وجہ سے وہ اصل حقیقت کو نہیں ٹھکراتا۔ شاعر نے صحیح کہا ہے

؎ الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا
غوّاص کو مطلب ہے گُہر سے کہ صدف سے

تصوّف کے سلسلے میں دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو تمام اجزاء کو علیحدہ علیحدہ تسلیم کرتا ہے لیکن جب اس کے مجموعہ کو کوئی نام دے دیا جاتا ہے تو وہ اس سے انکار کر دیتا ہے ہم نے اوپر جن مقاصد و صفات کا ذکر کیا ہے وہ تقریباً سب لوگوں کو علیحدہ علیحدہ تسلیم ہیں لیکن جب کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگوں نے (کسی وجہ سے) اس کے مجموعہ کا نام تصوّف رکھ دیا ہے تو فوراً تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں اور وہ کہنے لگتے ہیں کہ ہم تصوّف کو نہیں مانتے اور تصوّف نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ اور دوسرا گروہ وہ ہے کہ اگر کوئی اسی حقیقت کا نام بدل کر پیش کرے اس کو قبول کر لیتا ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ قرآن مجید کی اصطلاح میں اس کا نام تزکیہ، حدیث کی اصطلاح میں اس کا نام احسان اور بعض علماء متاخرین کی اصطلاح میں اس کا نام فقہ باطن ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں اور یہ سب چیزیں منصوص ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک لکھی ہوئی ساری کتابوں میں نہ ترمیم ہو سکتی ہے اور نہ زبان خلق کو جو نقارۂ خدا کہی گئی ہے روکا جا سکتا ہے۔ ورنہ اگر ہمارے اختیار کی بات ہوتی تو ہم اس کو تزکیہ واحسان کے لفظ سے یاد کرتے اور تصوّف کا لفظ ہی استعمال نہ کرتے، یلین اب اس کا معروف نام یہی پڑ گیا ہے اور یہ کسی فن کی خصوصیت نہیں، علوم وفنون کی ساری تاریخ اسی طرح کی مروّجہ اصطلاحات سے پُر ہے۔ محققین فن نے ہمیشہ مقاصد پر زور دیا اور وسائل کو وسائل ہی کی حد تک رکھا اسی طرح انہوں نے بڑی جرأت اور بلند آہنگی سے ان چیزوں کا انکار کیا جو اس کے روح ومغز اور اصل مقاصد سے نہ صرف خارج بلکہ ان کے

منافی اور اکثر اوقات ان کے لئے مضر ثابت ہوتی ہیں۔ تاریخ اسلام میں کوئی ایسا دور نہیں گذرا کہ اس فن کے داعیوں، معلموں اور اہل تحقیق نے مغز و پوست، حقائق واشکال اور مقاصد و رسوم میں فرق نہ کیا ہو۔

پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے لے کر مجدد الفِ ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سیّد احمد شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سب نے قِشر و لُباب، مقصود و غیر مقصود میں پوری وضاحت کے ساتھ امتیاز پر زور دیا اور ان رسوم وعادات کی اس شدت سے تردید کی جو غیر مسلموں کے اختلاط یا صوفیائے خام کے اثر سے داخل ہو گئی تھی اور ان کو تصوّف اور طریقت کا جز سمجھ لیا گیا تھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ''فتوح الغیب'' ہو یا ''غنیۃ الطالبین''۔ یا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی ''عوارف المعارف''، حضرت مجدد صاحبؒ کی ''مکتوباتِ امام ربانی'' ہوں۔ یا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیفات، یا حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی ''صراطِ مستقیم''۔ حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات یا مولانا تھانویؒ کی ''تربیت السالک'' و ''قصد السبیل''، ہر جگہ یہ مضامین بکثرت ملیں گے کہ انہوں نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیا اور جہاں تک حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تعلق ہے انہوں نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ:

''نسبت صوفیاء کبریت احمر است و رسوم ایشاں ہیچ نیرزد''۔

(صوفیاء کرام کی نسبت باطنی تو نعمت عظمیٰ ہے اور کیمیاء ہے لیکن ان کے رسوم (جن کا شریعت سے ثبوت نہیں، کوئی قیمت نہیں رکھتے) اسی طرح ان سب حضرات نے بلا استثناء اخلاق و معاملات حقوق العباد کی اہمیت پر پورا زور دیا ہے اور اس کو اصلاح وقُرب کیلئے شرط قرار دیا ہے۔ ان حضرات کی تصانیف بھی اس مضمون سے بھری ہوئی ہیں اور ان کی مجالس اس تذکیر و تبلیغ سے ہمیشہ معمور رہیں۔

ہم نے جن بزرگوں کا زمانہ پایا اور اُن کی خدمت میں پہنچنے کی سعادت حاصل ہوئی اور اُن کو دیکھ کر تصوّف کے قائل اور معتقد ہوئے اُن میں ہم نے تصوّف وطریقت ہی کا نہیں دین وشریعت کا لُبِ لُباب پایا۔ ان کے اخلاق، اخلاقِ نبوی ﷺ کا پرتو، اُن کے معاملات واعمال اور ان کی زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اس کی ترازو میں تُلی ہوئی دیکھی، ان کو ہمیشہ مقاصد ووسائل کے درمیان فرق کرتے ہوئے اصطلاحات سے مستغنی ہو کر اور اکثر ان کو فراموش کر کے حقائق پر زور دیتے ہوئے دیکھا۔ رسوم سے بے پرواہ وبے گانہ اور بدعات کا سخت مخالف اور منکر پایا۔ ان کے اتباعِ سنّت کا دائرہ صرف عبادات نہیں بلکہ عادات ومعاملات تک وسیع اور محیط پایا۔ وہ اس فن کے مقلد نہیں بلکہ مجتہد تھے جو اپنی خداداد بصیرت، طویل تجربے سے اس فن میں کبھی اختصار سے، کبھی انتخاب سے اور کبھی حذف وترمیم سے کام لیتے اور ہر ایک کے مزاج کے مطابق نسخہ تجویز کرتے اور معالجہ فرماتے اور علاج وپرہیز میں طبائع ومشاغل حالات کا پورا لحاظ رکھتے، ان کی شان اس کے بارے میں مجتہد فن، اطباء واضعین فن کی ہے جو اپنے فن کے محکوم نہیں حاکم ہوتے ہیں اور جن کے سامنے اصل مقصود فائدہ اور مریض کی صحت ہوتی ہے نہ کہ لکیر کے فقیر بننا اور رٹے ہوئے سبق کا دُہرا دینا۔ ان حضرات کے نزدیک اخلاق کی اصلاح، معاملات کی صفائی، طبیعت میں اعتدال کا پیدا ہونا، ضبط نفس اور ایثار، انقیاد واطاعت اور ہر چیز میں اخلاص ورضاء الٰہی کی طلب تصوّف کا اصل مقصود اور اذکار ومجاہدات، صحبت شیخ حتیٰ کہ بیعت وارادت کا اصلی فائدہ ہے، اگر یہ حاصل نہیں تو یہ ساری محنت ''کوہ کندن کاہ برآوردن'' کے مرادف ہے اور اس شعر کے مصداق کہ:

؎ خواجہ پندارد کہ مرد واصل است
حاصل خواجہ بجز پندار نیست

پیش نظر رسالہ اس سلسلۃ الذھب کی ایک بیش قیمت کڑی ہے، جس میں اپنے وقت کے ایک مصلح ومربی اور شیخ زمانہ نے ان ہی حقائق کا اظہار اور ان ہی مقاصد کی پردہ کشائی فرمائی ہے اور غلط فہمیوں کو دور کیا ہے جو اس راہ کے مبتدیوں اور خام کار صوفیوں کو پیش آتی ہیں اور کبھی مستقل ارشادات وذاتی تجربات کے ضمن میں کبھی اپنے مشائخ اور بزرگوں کی حکایات کے ضمن میں تصوّف کا لُبِ لُباب بیان فرمایا ہے اور ان مغالطوں اور خود فریبیوں کا پردہ چاک کیا ہے جن میں اچھے اچھے لوگ گرفتار نظر آتے ہیں۔ نیز شیخ سے استفادہ کے ان آداب وشرائط کا ذکر کیا ہے جن کے بغیر طویل صحبت وزیادہ سے زیادہ اظہارِ عقیدت کے باوجود بھی حقیقی نفع نہیں پہنچتا۔ برادر عزیز صوفی محمد اقبال صاحب ہوشیار پوری ہم سب کے شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حضرت شیخ کے ان ملفوظات وافادات کو یکجا جمع کر دیا جو مسجد نبوی کے زیر سایہ مدینہ طیّبہ کی پاک سرزمین پر مختلف مجالس میں انہوں نے سنے یا حضرت کی آپ بیتی سے انتخاب کئے، امید ہے کہ ان کا مطالعہ طالبین وسالکین اور مخلصین وصادقین سب کے لئے مفید، چشم کشاد، بصیرت افزا ثابت ہوگا جو اس طریق کے اصل مقاصد اور مشائخ کے ساتھ تعلق کے اصل منافع کے جویاں اور اپنی اصلاح وتربیت کے لیے فکر مند اور خدا کے قُرب ورضا کے آرزو مند ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی یہ مساعی مشکور اور ان کا یہ عمل مفید ومقبول ہو۔

(مولانا) سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی

مدینہ منورہ ۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۹۶ھ

حضرت علی میاں نے اپنے بھانجے محمد ثانی کو مظاہر العلوم میں داخل کیا اور حضرت شیخ الحدیثؒ سے حدیث شریف پڑھوائی اور ان کے چھوٹے بھائی محمد رابع کو دیوبند میں داخل کیا اور حضرت مدنیؒ سے حدیث پڑھوائی، جبکہ ان ہی دنوں راقم الحروف

کا قیام بھی دیوبند میں تھا۔

آخر میں ناظرین سے درخواست ہے کہ امت کے اس محسن اور بزرگ ہستی کے اس جوہر یعنی تعلق باللہ اور روحِ دین کے حصول میں ان کی اتباع کی جائے اور رواجی جلسے جلوسوں کے علاوہ جتنا ہو سکے حضرت کو ایصال ثواب کیا جائے اور یہ مضمون اور اس قسم کے مضامین اپنے رسالوں میں شائع کر کے بھی ایصال ثواب کا اجر حاصل کریں۔ الحمد للہ میرے دوستوں نے مجھے متاثر دیکھ کر ان کی طرف سے عمرے کر کے مجھے اطلاع دی اور مستقل قرآن پاک ختم کئے اور یہی حضرت شیخؒ کے یہاں تعزیت کا نافع طریقہ تھا

ع سیہ دل تبہ کار گو میں ہوں لیکن فدائی ہوں اللہ کے عاشقوں کا
یہ امید رکھتا ہوں لطف ازل سے کہ اس دل پہ پَر تو پڑے صادقوں کا

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد وآله وصحبه اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین.

محمد اقبال

مدینہ منورہ۔ ۲۳ شوال ۱۴۲۰ھ

حضرت مولانا علی میاںؒ کے والد ماجد مولانا سید عبدالحئی حسنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان صاحب گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے اور والدہ صاحبہ عالمہ حافظہ تھیں جن کا اسم مبارک خیر النساء تھا اور تخلص ''بہتر'' تھا، ان کی ایک منظوم دعا جو انہوں نے حضرت علی میاں کے لئے کی وہ درج ذیل ہے:

ترا شیوہ کرم ہے، اور میری عادت گدائی کی

ترا شیوہ کرم ہے اور مری عادت گدائی کی — نہ ٹوٹے آس اے مولا ترے در کے فقیروں کی
ترے دربار سے مایوس پھر جائیں بھلا کیونکر — کہ تو کرتا رہا ہے خواہشیں پوری حریصوں کی
ادھر بھی ابر رحمت آئے اور جم جم کے یوں برسے — کہ ہو سر سبز کھیتی ہم غریبوں بد نصیبوں کی
خزاں میں بھی شجر سر سبز ہو کر پھول پھل لائیں — ہو شہرت باغباں کی باغ کی غنچوں کی پھولوں کی
مری اولاد کو تو یا الٰہی اتنی ہمت دے — کہ ہو کر قوتِ بازو خبر لیں ہم ضعیفوں کی
انھیں کے علم اور اقبال کی شہرت جہاں میں ہو — ہے شہرت جیسی عالم میں نبی ﷺ کے ہم نشینوں کی
ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ علیؓ میں جتنے جوہر تھے — وہی جوہر ہوں ان میں اور وہی فطرت کریموں کی

ترے دربار سے بہتؔر کی بھی امید بر آئے
علی (۱) ٹھنڈک ہو آنکھوں کی علی راحت ہو سینوں کی

---

(۱) اس سے مراد مولانا ابو الحسن علی میاں رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت کی والدہ صاحبہ کی دعا کی قبولیت کی تو ساری زندگی شاہد عدل ہے اور اعتبار خاتمے کا ہوتا ہے جس کا مختصر حال یہ ہے کہ آپ جبکہ مشائخ تصوف کے طریقے پر مسترشدین کے ساتھ رمضان گذار رہے تھے، جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے غسل فرمایا اور یٰسین شریف پڑھتے ہوئے ''ماہ مبارک'' روزہ کی حالت میں اس دار فانی سے رحلت فرماگئے اور نزع کی حالت ایک منٹ سے بھی کم رہی رحمه الله رحمة واسعة.

حضرت شاہ علم اللہؒ کے جوار میں تدفین ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی خاتمہ بالخیر کرے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِي اٰخِرَهٗ وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِمَهٗ وَخَيْرَ اَيَّامِيْ يَوْمَ اَلْقَاكَ فِيْهِ يَا وَلِيَّ الْاِسْلَامِ وَاَهْلِهٖ ثَبِّتْنِيْ بِهٖ حَتّٰى اَلْقَاكَ. حضرت کی اکثر دعا ''اَللّٰهُمَّ اعْطِنِي اَفْضَلَ مَا تُعْطِي عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ'' تھی۔

(ضمیمہ)

حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کے تصوّف کی ایک وضاحت

ہمارے زمانے کے ایک گستاخ اہل قلم اور تصوّف کے انتہائی دشمن نے اپنے ایک رسالے میں تصوّف اور تقلید کی بہت صحیح تعریف کی۔ اور تصوّف کے بارے میں لوگوں پر اپنا اعتماد بٹھایا۔ لیکن اپنی دوسری تحریروں میں تصوّف کے خلاف بہت زیادہ بغض کا اظہار کیا، کسی بڑے چھوٹے کی کوئی رعایت نہیں کی۔ اسی طرح بہت سی باتوں میں ان کی دو، دو متضاد تحریریں ہیں۔ بہت سے لوگ جو دنیاوی فنون کو تو جانتے ہیں لیکن اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہیں، حضرات ائمہ کرام کے مقام سے نیز حدیث پاک اور تاریخ اسلامی کے فرق سے ناواقف ہیں ایسے لوگوں کو انہوں نے اپنے اعتماد میں لیا۔ اسی طرح تصوّف کا کھلم کھلا انکار اور سلف صالحین جو سب اہل تصوّف تھے، جن کے ذریعے ہمیں دین پہنچا ہے ان کی دینی خدمات کا انکار کرنا اور ان کو خرافی اور افیونی قرار دینا مشکل تھا، کہ ساری دنیا میں دین ان ہی کے ذریعے پھیلا ہے اس لئے وہ آسان سی بات یہ کہہ دیتے ہیں کہ ''ہم تصوّف کو تو مانتے ہیں کہ روحِ دین ہے اور ان بزرگوں کو بھی ہم مانتے ہیں لیکن آج کل کا تصوّف تو دکان داری ہے، اس کو ہم خرافات کہتے ہیں (ہمارے ایک دوست بزرگ نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں سارے سلف صالحین، ائمہ دین کے تصوّف کو بیان فرمایا ہے)۔

اسی طرح حضرت مولانا علی میاںؒ کی مقبولیت کی شہرت اتنی ہو چکی ہے کہ سلف صالحین کی طرح ان کا انکار بھی تصوّف کے مخالفین کے لئے مشکل ہو گیا ہے۔ لہٰذا ان کے متعلق بھی یہ جملہ کہا جا سکتا ہے کہ ''علی میاں جیسا کوئی ہو تو اس تصوّف کو تو ہم مانتے ہیں، ہم تو آج کل کے تصوّف کا انکار کرتے ہیں، جو خرافات اور

دکان داری ہے''۔

ان قائلین پر واضح ہو کہ حضرت مولانا علی میاںؒ نے آج کل کے ہی بعض صلحاء کو بیعت وارشاد کی اجازت دی ہے، جن پر مشائخ حقہ نے اعتماد ظاہر فرمایا۔ نیز جن بڑے مشائخ کا اس تحریر میں ذکر آیا ہے جن سے حضرت علی میاںؒ نے استفادہ کیا اور ان کو اپنا مرشد و مربیّ بنایا ان ہی حضرات کے سو، سو سے زائد خلفاء ہیں، وہ بھی آجکل کے ہی ہیں، انہوں نے قبروں میں مدفون حضرات کو اجازتیں نہیں دیں۔ یہ سلسلہ ان شاءاللہ قیامت تک جاری رہے گا۔

البتہ اس سے انکار نہیں کہ خرافی اور دکان دار جیسے ہر طبقے میں ہمیشہ سے پائے جاتے ہیں اہل تصوّف میں بھی ہیں، ان کا تو حضرت علی میاں نے اور دیگر سب مشائخ نے بھی رد کیا ہے (جیسا کہ پیچھے حضرت کے بیان میں مفصل گزرا) یہ نہیں کہ اہل خرافات کا نام لے کر سب ہی کا انکار کر دیا جائے۔ اگرچہ یہ انحطاط کا دور ہے، جو دین کے ہر شعبے میں ہے۔ تصوّف ہی نہیں، فقہ، حدیث وغیرہ ہر شعبے میں پہلے جیسے لوگ نہیں، بہت ہی فرق ہے۔ مثلاً جن لوگوں نے ہمارے ہی زمانے کے حضرت مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ جیسوں کو دیکھا ہے ان کے مقابلے میں آجکل کے اکثر مفتی اَن پڑھ معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ہر جگہ اساتذۂ حدیث اور مفتیان کرام ہیں، ان ہی سے کام چلانا پڑے گا۔ یہی حال اہل تقویٰ اور تصوّف کا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں اب اللہ والے نہیں ملتے :

حق تعالیٰ تو قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین (ایمان کی حفاظت کے لئے تقویٰ کا حکم دیا اور تقویٰ کے لئے معیّت صادقین کا حکم دیا) قرآن مجید قیامت تک ہے لہٰذا حکم بھی قیامت تک کے لیے

ہے تو صادقین کا پیدا کیا جانا اور موجود رہنا قیامت تک کے لئے ہے ورنہ وہ ان کی معیّت کا حکم ہی کیوں دیتے، یہ معیّت بھی اپنے زمانے کے زندوں سے ہوتی ہے۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: **لا یزال طائفة من امتی منصورین من الحق**...... الحدیث. (یعنی ایک گروہ حق تعالیٰ کی مدد کے ساتھ ہمیشہ رہے گا ان کو کوئی شخص بھی گزند نہ پہنچا سکے گا اس گروہ کا ذکر اسی لئے کیا کہ دینی ضروریات ان سے پوری کی جا سکیں)۔

حضرت حکیم الامت مجدد الملت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں آج بھی اللہ والوں کی کرسیاں پُر ہیں۔ ایک خالی ہوتی ہے تو اس کی جگہ دوسرے کو متعین کر دیا جاتا ہے اور اس کی مدد حق تعالیٰ کرتے ہیں تاکہ لوگ اپنی دینی ضروریات ان سے پوری کر سکیں۔ پہلے بزرگوں کے مقابلے میں انحطاط تو ہے لیکن ہماری ضروریات پوری کرنے کے لئے ایسے افراد میسر آ سکتے ہیں بشرطیکہ ہم اخلاص کے ساتھ کوشش کریں لہٰذا یہ کہنا کہ اب اللہ والے نہیں ملتے یہ غلط ہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے "الاعتدال فی مراتب الرّجال" اور "فتنۂ مودودیت" میں اسی مضمون پر مفصل کلام فرمایا ہے، اس کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ یہاں اختصار کے پیشِ نظر صرف ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

فرماتے ہیں :

یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ تغیر زمانہ کا عام اثر دنیا کی ہر چیز پر ہے تو اہل علم اس سے باہر کہاں جا سکتے ہیں۔ زمانہ جتنا بھی زمانۂ نبوت سے دور ہوتا جائے گا اتنے ہی فتنے و شرور اس میں بڑھتے جائیں گے۔ لیکن ہم لوگ اپنے اندر ہر قسم کے ضعف وانحطاط کو تسلیم کرتے ہیں مگر اہل علم کے لیے وہی پہلا منظر چاہتے ہیں اور اسی معیار پر جانچنا چاہتے ہیں۔

جب قوائے جسمانیہ کا ذکر آجائے ہر شخص کہتا ہے اجی وہ قوتیں اب کہاں رہیں لیکن جب قوائے روحانیہ مجاہدات علمیہ کا ذکر آئے تو ہر شخص جنید شبلی بخاری غزالی کے اوصاف کا طالب اور خواہش مند بن جاتا ہے حالانکہ دینی انحطاط کی پیشین گوئی خود نبی اکرم ﷺ سے منقول ہے حضور کا ارشاد ہے:

"لاَ يَاْتِیْ عَلَيْكُمْ عَامٌ وَلاَ يَوْمٌ اِلاَّ وَالَّذِیْ بَعْدَهٗ شَرٌّ مِّنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ" كَذَا فِی الْجَامِعِ الصَّغِيْرِ بِرِوَايَةِ اَحْمَدَ وَالْبُخَارِیْ وَغَيْرِهِمَا وَرَقَّمَ لَهٗ بِالصِّحَّةِ.

تم پر کوئی سال اور کوئی دن ایسا نہیں آئے گا جس سے بعد والا سال اور دن اس سے زیادہ برا نہ ہو۔ یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جاملو۔

مناویؒ کہتے ہیں کہ یہ دین کے اعتبار سے اور اکثریت کے لحاظ سے ہے یعنی بعض افراد کا اس سے خارج ہونا موجب اشکال نہیں۔ (الاعتدال)

اور حدیث پاک میں ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنَّكُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَكَ مِنْكُمْ عُشْرَ مَا اُمِرَ بِهٖ هَلَكَ، ثُمَّ يَأْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ مِنْهُمْ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ بِهٖ نَجَا.

(رواه الترمذی كذا فی المشكوة).

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم ایسے زمانے میں ہو کہ اگر مامورات کے دسویں حصے کو بھی چھوڑ دو تو ہلاک ہو جاؤ پھر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اس میں اگر دسویں حصے پر بھی عمل کر لیا تو نجات ہو جائے گی۔

(اور "نجات" کے علاوہ ثواب کے متعلق بھی دوسری روایات میں ہے ۵۰ گنا

ثواب زیادہ ملے گا)۔

ملحوظہ : ماموراتِ دینیہ میں یہ کمی عمل کے اعتبار سے ہے، ماننے کے لحاظ سے نہیں۔ چاہیے ماموراتِ کو نہ جانتا ہوا انکار نہ کرے۔ بہت سے پڑھے لکھے اپنی مرضی کے خلاف دین کی بات کا انکار کر دیتے ہیں، جس سے ان کی ساری عبادت وغیرہ کالعدم ہو جاتی ہے۔ جن کے مقابلے میں بے عمل جاہل کی نجات ہو گی ان شاءاللہ تعالیٰ۔

یہی حال ''زبانی ذکر'' کا ہے کہ اس کی اہمیت کم کرنے کے لئے ''حقیقی ذکر'' کا نام لیا جاتا ہے جو اپنی جگہ حق ہے مگر حقیقی ذکر، زبانی ذکر کے ذریعے ہی حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ذکر سے روکنے کی سازش ہے جو بہت کامیاب رہی، اس کے متعلق کئی دفعہ لکھا گیا، اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔ اسی طرح تصوّف سے روکنے کی بھی سازشیں ہو رہی ہیں، جن سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سب کی حفاظت فرمائے اور شیطانی دَجل سے بچائے۔ **واللہ الموفّق وصلی اللہ علی النبی الکریم.**

ہم نے سب کا کام دیکھا ہے ہے ادب شرط! منہ نہ کھلوائیں

جماعت اسلامی اور بعض دیگر معاصر تحریکوں اور تحریروں کے آئینہ میں ایک جائزہ اور تبصرہ

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی حسنی ندوی (رحمہ اللہ) کی شاہکار تصنیف

"عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح"

جماعت اسلامی [1] کے بانی ورہنما مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے دین کی بنیادی اصطلاحوں [2] (الٰہ، رب، دین، عبادت) کی ایک ایسی نئی تشریح کی تھی جو ان سے پہلے کسی مفسر، کسی محدث، کسی امام ومجتہد اور کسی فقیہ ومتکلم اسلام نے نہیں کی اور دعویٰ کیا تھا کہ دین کی ان بنیادی اصطلاحوں کا مفہوم ومطلب ان لوگوں نے صحیح سمجھا تھا جن کے زمانہ میں قرآن کا نزول ہوا (خواہ وہ مسلمان ہوں جیسے صحابہ کرامؓ یا ابوجہل اور ابولہب جیسے دشمنان اسلام) لیکن بعد میں جو لوگ اسلامی معاشرے میں پیدا ہوئے وہ ان کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکے جس کی وجہ سے اس طویل مدت [3] میں (گویا پہلی یا دوسری صدی سے لے کر اس چودھویں صدی تک) قرآن اور اسلام کی دعوت وتعلیم کو صحیح نہیں سمجھا جا سکا، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا مودودی کے اس دعوے (یا تحقیق) کا اور اسی طرح کے ان کے چند اور دعووں کا اپنی اس تصنیف میں کتاب وسنت اور اسلامی تاریخ کی روشنی میں علمی محاسبہ کیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ طرز فکر کتنا غلط، دین کے لئے کس قدر مضر اور دین والی امت کے لئے کس قدر خطرناک ہے [4]۔ اس کتاب کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ایسے ہمدردانہ اور شیریں انداز میں لکھا گیا ہے کہ خود مودودی صاحب اور ان کے اہل محبت اس کو پوری خوشگواری کے ساتھ پڑھ سکیں گے۔

(۱) یہ اشتہار حضرت مولانا منظور نعمانیؒ نے تحریر فرمایا تھا، آپ نے جماعت اسلامی کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ایک فتنہ نہیں بلکہ فتنوں کا دروازہ ہے۔ (۲) یہ مضمون مودودی صاحب کی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات" میں ہے۔ جس وقت حضرت شیخ الحدیثؒ نے فتنہ مودودیت والا مضمون لکھا تھا اس وقت یہ کتاب اور دوسری حیاسوز کتاب "خلافت وملوکیت" نہیں آئی تھی ورنہ حضرت شیخ کا مضمون بہت ہی سخت ہوتا۔ (۳) مودودی صاحب کی کتاب میں ہے کہ اس طویل مدت میں قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی (پورا قرآن اور اس کی تعلیم اب چودہویں صدی میں سمجھی گئی)۔ (۴) تفہیم القرآن جس کا بہت سا حصہ بہت عمدہ ہے اس میں کئی جگہ قرآن کی بے ادبی، اہل سنت کے عقیدہ کے خلاف عصمت انبیاء کا انکار اور معتزلہ اور شیعوں کی تائید وغیرہ خلاف دین باتیں بہت سلیقہ سے درج ہیں اور پڑھنے والا چاہے جتنا ہی تعلیم یافتہ اور ذہین ہو اس کو ان باتوں کا خلاف دین ہونا محسوس ہی نہیں ہوتا اور جس کا پہلے سے اس طرح کا ذہن ہو وہ بہت تعریف کریگا۔ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ نے عامی حضرات (جو کہ زیادہ علمی استعداد نہیں رکھتے بلکہ علماء راسخین کی تقلید کرتے ہیں ان) کے لئے ایک مطبوعہ کتاب "مودودی صاحب علماء امت کی نظر میں" اپنے خرچ پر چھپوائی اسی طرح رسالہ "تنقید اور حق تنقید" بھی چھپوایا (بقلم محمد سہیل وارد حال مدینہ منورہ)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ ملاحت کِدھر سے آئی؟

حضرت اقدس صوفی **محمد اقبال** صاحب (مدنی)

معاونت خصوصی برائے ترتیب و کمپوزنگ
حضرت جناب آفتاب احمد (مدینہ منورہ)

ترتیب و کمپوٹر کمپوزنگ: محمد نور باری

مکتبہ اقبالیہ

نور حراء پبلیشرز

ای میل: noorbari786@gmail.com

فون: 0092-312-2502281

١٣ ذالقعدہ ١٤٤٣

ناشر
مکتبہ حضرت شاہ زبیرؒ
خانقاہ شریف و جامع مسجد جلیلیہ
ایس۔ٹی۔۳،۵ سی سُرجانی ٹاؤن